بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کلامِ علی علیہ السلام
کا
عربی اَدب پر اَثر

مآخذ نہج البلاغہ اور تقریظ مفتی محمد عبدہ کے بعد یہ سطریں اس لیے لکھی گئی ہیں کہ فارسی، عربی اور اُردو میں ''کلام علی علیہ السلام'' پر کئی حیثیتوں سے بحثیں کی گئی ہیں۔ اتفاق سے تنقید و تاریخی آئینہ میں ''کلامِ علی علیہ السلام کی اثر آفرینی'' کا تجزیہ نہیں کیا جا سکا۔۔۔کلامِ علی علیہ السلام، دین، عرفان، احکام، حقائق اور تاریخ کا جو بے نظیر مجموعہ ہے اس سے کون ناواقف ہوگا۔ اور اب تو عرب عیسائی بھی شخصیت علی علیہ السلام پر لکھ رہے ہیں۔ زیرِ نظر مقالہ امیر المومنینؑ کی شخصیت پر ایک دوسرے زاویہ سے بحث کرتا ہے، یعنی حضرتؑ کی ادبیت کے اہم پہلو کو موضوعِ بحث بناتا ہے۔ اور اس یقین پر کہ شاید کوئی اس بحث کو مکمل کر دے۔

کسی کی تاثیر یا تأثر معلوم کرنے کے لیے موضوع بحث کو ''تجریدی'' حالت میں دیکھنا تقریباً ناممکن ہوا کرتا ہے، اس لیے موضوع کا پس منظر اور اس کے مستقبل کا جائزہ لے کر فیصلہ آسان اور تعارف واضح ہو جاتا ہے۔

بحث یہ ہے کہ عربی اَدب پر کلام علی علیہ السلام کا اثر ہوا یا نہیں؟ اور اَدب میں وہ کون سی خصوصیتیں پیدا ہوئیں جن سے یہ معلوم ہو کہ ''کلام علی علیہ السلام'' نے اَدب کو متاثر کیا؟

مشکل یہ ہے کہ عہدِ تہذیبِ تاریخ سے پہلے کسی خاص چیز کا پس منظر معلوم کرنا ''کھدائی'' اور زمین میں معدنیات کی تلاش سے کم نہیں۔

اَدب جاہلیّت

البتہ کلام علیؑ کا پس منظر سمجھنے کے لیے ''اَدب قبل از اسلام'' کا مطالعہ کرنا ہے۔ یہ مطالعہ اگر چہ کافی طولانی ہے لیکن مختصر یہ ہے کہ ''اَدب قبل از اسلام'' جسے ''ادبِ جاہلیّت'' کہتے ہیں ایک جاندار، زندہ اور تاریخی ادب ہے۔ اس کے دامن میں تیز و تند ہوائیں، زنّاٹے کی آندھیاں، چٹیل میدان، اطلال و دمن، اونچی نیچی پہاڑیوں پر آگ کی شعلہ فشانی، یا کبھی کی آبادی کے کھنڈر اور رزمگاہوں میں تلواروں کی چمک نظر آتی ہے۔ اس میں چلتے پھرتے قبیلوں کا نظام معاشرت، شہریوں کا انداز زندگی، قبائل کی خانہ جنگیاں، افراد کے ذہنی، اخلاقی اور فکر کے سطحی اور رنگیں مرقعے نظر آتے ہیں۔

شخصی و اجتماعی کردار، قومی اور قبائلی دستور اگر تلاش کرنا ہوں تو اَدب جاہلیّت بے مثال دستاویز ہے۔ سادگی، شجاعت، حریت اور جنگوئی کے جذبات کا یہ دفترِ فصاحت آفرین حیرت انگیز حد تک متاثر کُن ہے، لیکن وہ عرب جو شعر کو سجدہ گاہ جانتا تھا، جس نے بنی تغلب کو ہر حکومت اور برتری بھلا دی تھی، جو اپنے شاعر کے شہ کار کو جاودان سمجھتے تھے، اس قدر لعب پرستی کے بعد بھی اس کے لٹریچر میں ایک خلا ہے، اور وہ ہے ''نثر'' کا فقدان۔ موَرخین، اَدب اور آثار اَدب میں قِصے، لمبی کہانیوں یا مذہبی نثر کا نام نہیں لیتے بلکہ وہ صرف یہ بتاتے ہیں کہ عربوں کے بازاروں میں اگر ایک طرف شاعر اپنے قصیدے، غزلیں، ترانے اور شاہ نامے سناتا تھا تو دوسری طرف ان کے شعلہ بیان خطیب تقریریں کرتے تھے۔

یہ تقریریں رزم میں برجستہ، رواں، انقلاب آفریں وفخر یہ ہوا کرتی تھیں اور بزم میں مسرّت خیز وفخر آمیز و مسجع عبارت، اہتمامی انداز اور باقاعدگی و سنجیدگی سے بھاری۔ مگر یہ دونوں نثریں بنیادی خیال، موضوعی فکر اور مقصد انشا سے خالی ہوتی تھیں۔ خطیب محنت کرتا تھا

اور داد حاصل کر کے فن و کمال کا مظاہرہ کرتا تھا۔

یہ خطیب دو طرح کی تقریریں کرتے تھے، تمہیدی اور غیر تمہیدی۔ غیر تمہیدی تقریریں ''بترا'' کہلاتی تھیں۔ پھر یہ خطبے دو طرح سے پیش کیے جاتے تھے، کھڑے ہو کر بولنے والے اور بیٹھ کر بولنے والے۔ جاحظ نے ان لوگوں کے بارے میں بڑے معلومات فراہم کیے ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ کھڑے ہو کر بولنے والے مقرر، سیاسی و معاشرتی موقعوں پر کھڑے ہو کر بولتے تھے اور فقط نکاح کا خطبہ بیٹھ کر ادا کیا جاتا تھا۔

اسٹیج کے خطیبوں کا انداز یہ تھا کہ:

وَكَانَ لِكُلِّ قَبِيْلَةٍ خَطِيْبٌ كَمَا كَانَ لِكُلِّ قَبِيْلَةٍ شَاعِرٌوَاَكْثَرُ مَا كَانَتِ الخِطَابَةُ فِي التَّحْرِيْضِ عَلَى الْقِتَالِ وَالتَّحْكِيْمِ فِي الْخُصُوْمَاتِ وَاِصْلَاحِ ذَاتِ الْبَيْنِ وَفِي الْمُفَاخَرَاتِ وَالْمُنَافِرَاتِ وَالْوَصَايَا وَغَيرَ ذٰلِكَ۔ وَكَانَ مِنْ عَادَةِ الْخَطِيْبِ فِيْ غَيْرِ خُطَبِ الْاِمْلَاكِ والتَّزْوِيْجِ اَنْ يَّخْطُبَ قَائِماً اَوْ عَلٰى نَشْرٍ وَمُرْتَفِعٍ مِنَ الْاَرْضِ اَوْ عَلٰى ظَهْرِ رَاحِلَتِهٖ لِاِبْعَادِ مُدَى الصَّوْتِ وَالتَّاْثِيْرِ بِشَخْصِهٖ وِاِظْهَارِ مُلَامِحِ وَجْهِهٖ وحَرَكَاتِ جَوَارِحِهٖ۔وَلَا غِنٰى لَهٗ عَنْ لَوْثٍ وعَصَبِ الْعِمَامَةِ وَالْاِعْتِمَادِ عَلٰى مَخْصَرَةٍ اَوْ عَصاً اَوْ قَنَاةٍ اَوْ قَوْسٍ۔ وَرُبَّمَا اَشَارَ بِاِحْدَاهَا[1] اَوْ بِيَدٍ۔

---

[1] اصل میں ''بِاِحْدَاهَا'' ہے، اِحْدَاهَا پڑھتا ہوں۔

جس طرح ہر قبیلے کا اک شاعر ہوا کرتا تھا، اس طرح ہر قبیلے کا ایک خطیب بھی تھا۔ اکثر جنگی تحریک، یا آپس کے جھگڑوں میں فیصلے، صلح صفائی، فخریہ و ہجویہ، یا وصیّت ونصیحت وغیرہ کے موقعوں پر یہ لوگ بولتے تھے۔ کسی چیز کے خریدنے یا عقد نکاح کے علاوہ ''خطیب'' کھڑے ہوکر بولتے تھے۔ یہ اسٹیج یا تو کوئی چبوترہ، ٹیلا ہوتا تھا یا اونٹ کی پیٹھ پر سے یہ کام لیتے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ آواز دور تک پہنچے، شخصیت سے مرعوب کیا جائے، چہرے کے اتار چڑھاؤ دکھائے جائیں۔ اس کے علاوہ کچھ بھی کیا جاتا تھا مثلاً، عمامہ باندھتے تھے، چھڑی، نیزہ یا کمان ہاتھ میں ہوتا تھا اور کبھی چشم وابرو یا ہاتھ سے اشارہ بھی کرتے تھے۔[1]

اس دور کے کھڑے ہوکر بولنے والے مقررین میں سے چند نام یہ ہیں:

۱۔ قیس بن خارجہ (م ۔ ۶۰۰ء تقریباً) یہ بخران کا اسقف، حکیم و مبلّغ اور جنگ ''داحس وغبرا'' کا خطیب مانا گیا ہے۔

۲۔ خویلد بن عمرو غطفانی، جنگ فجار کا مقرّر

۳۔ قیس بن ساعدہ، عرب کے مشہور بازار اور عظیم الشان میلے کا خطیب کہ اسے پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بھی بولتے سُنا ہے۔

۴۔ اکثم بن صیفی جو عرب سے ایران جانے والے اس وفد کا لیڈر تھا جو نعمان کی طرف سے کسریٰ کی خدمت میں بھیجا تھا۔

۵۔ ابوثور عمر بن معدیکرب الزّبیدی، جس کے بارے میں اندازہ ہے کہ ۲۳ھ میں

---

[1] جواہرالادب، ج ۲، ص ۲۰۔

پیدا اور ۶۴۳ء میں مرا ہے۔ یہ یمن کا بہادر، عرب کا خطیب اور غضب کا ادیب تھا۔ ۹ھ میں مسلمان ہوا پھر مرتد ہو گیا، اس کے بعد پھر اسلام قبول کیا۔[۱]

۶۔ یونس بن حبیب، عظیم الشان اور مشہور خطیب جس کے لیے ابن رشیق نے لکھا ہے

''غِلَا باً فِی الْخُطَبِ''، ''تقریروں کا شیر'' [۲]

۷۔ ان کے علاوہ قریش میں ''کعب بن لوی'' حضرت رسالت مآبؐ و امیر المومنینؑ کے جدِ ہفتم۔ سید احمد ہاشمی لکھتے ہیں:

مِنْ اَقْدَمِهِمْ كَعْبُ بْنُ لُؤَيٍّ، وَكَانَ ذَا نُفُوْذٍ عَظِيْمٍ فِيْ قَوْمِهٖ، حَتّٰى اَكْبَرُوْا مَوْتَهٗ۔

ان میں قدیم ترین شخصیت ''کعب بن لوی'' ہیں جو اپنی قوم کے با اثر ترین لوگوں میں تھے، حتّٰی کہ ان کی موت کو بڑی اہمیت دی گئی۔[۳]

جاحظ، ابن عبدربہ، قلقشندی وغیرہ نے ان میں بہت سے لوگوں کے خطبوں، مکالموں اور فیصلوں کے کچھ کچھ جملے، اور منتشر منسوبات لکھے ہیں۔

قُس کا خطبہ تو تقریباً ایک ہی عبارت میں اکثر کتب اَدب میں موجود ہے۔ خطبہ نکاح سے متعارف کرانے کے لیے تقریباً ۵۹۴ء کا ایک اہم نمونہ وہ ہے جو حضرت ابو طالب کرم اللہ وجہہ نے نکاحِ پیغمبر اسلامؐ کے موقع پر پڑھا تھا کہ

---

[۱] تاریخ الادب العربی، احمد حسن زیات، ص ۱۷۴۔ المجمل، ص ۲۸۔

[۲] العمدہ، ج ۱، ص ۶۸۔

[۳] (جواہر الادب، ج ۲، ص ۱۹)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَنَا مِنْ ذُرِّیَّةِ[1] اِبْرَاهِیْمَ وَزَرْعِ اِسْمَاعِیْلَ وَضِئْضِئِ مَعَدٍّ وَعُنْصُرِ مُضَرَ، وَجَعَلَ لَنَا بَیْتًا مَحْجُوْجًا حَرَمًا آمِنًا، وَجَعَلَنَا اُمَنَاءَ بَیْتِهٖ وَسُوَّاسَ حَرَمِهٖ، وَجَعَلَنَا الْحُكَّامَ عَلَى النَّاسِ. وَاِنَّ ابْنَ اَخِیْ هٰذَا مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ[2] مَنْ قَدْ عَلِمْتُمْ قَرَابَتَهٗ، وَهُوَ لَا یُوْزَنُ بِهٖ اَحَدٌ اِلَّا رَجَحَ بِهٖ. فَاِنْ كَانَ فِی الْمَالِ قُلٌّ، فَاِنَّ الْمَالَ ظِلٌّ زَائِلٌ. وَقَدْ خَطَبَ خَدِیْجَةَ بِنْتَ خُوَیْلِدٍ، وَبَذَلَ لَهَا مِنَ الصَّدَاقِ مَا عَاجِلَهٗ وَآجِلَهٗ مِنْ مَالِیْ كَذَا اَوْ كَذَا، وَهُوَ وَاللّٰهِ بَعْدَ هٰذَا لَهٗ نَبَأٌ عَظِیْمٌ وَخَطَرٌ جَلِیْلٌ۔

اس خدا کا شکر جس نے ہم کو ذریتِ ابراہیمؑ، کشفِ اسماعیلؑ اور پشت معد اور عنصر مضر سے بنایا۔ ہمیں مرکز حج مکان (بیت اللہ) دیا امن کا حرم مرحمت فرمایا۔ ہم اس گھر کے امین و مہتمم اور لوگوں کے حاکم ہیں۔ اور میرے بھتیجے محمد بن عبداللہ۔۔۔کی قرابت سے تم لوگ واقف ہو اور شرف ایسا ہے کہ جسے بھی اس کے مقابلے میں تول کر دیکھو گے ہلکا ملے گا۔ اور اگر اس کے پاس مال کی کمی ہے تو مال ایک چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ اس فرزند

---

[1] زَرْعِ اِسْمَاعِیْلَ وَ ذُرِّیَّةِ اِبْرَاهِیْمَ۔ المجمل، ج۱، ص۲۷۔

[2] ثُمَّ اِنَّ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، ابْنَ اَخِیْ، مَنْ لَا یُوَازَنُ بِهٖ فَتًی مِنْ قُرَیْشٍ اِلَّا رَجَحَ بِهٖ بِرًّا وَفَضْلًا وَعَدْلًا وَمَجْدًا وَنُبْلًا وَاِنْ كَانَ فِی الْمَالِ قُلٌّ، فَاِنَّ الْمَالَ عَارِیَةٌ مُسْتَرْجَعَةٌ، وَظِلٌّ زَائِلٌ. وَلَهٗ فِیْ خَدِیْجَةَ بِنْتِ خُوَیْلِدٍ رَغْبَةٌ، وَلَهَا فِیْهِ مِثْلُ ذٰلِكَ. وَمَا اَرَدْتُمْ مِنَ الصَّدَاقِ فَعَلَیَّ۔ المجمل، ج۱، ص۲۷۔

نے خدیجہ بنت خویلد سے رشتہ کیا ہے اور اسے فوری اور بدیر دینے والے مہر میں سے اتنا اتنا مال مَیں دے رہا ہوں۔ یہ فرزند ایک تابناک مستقبل اور کچھ غیبی عظمتیں ظاہر کرے گا۔[1]

بیٹھ کر پڑھے جانے والے خطبے اہم اور خطیب عظمت کے مالک ہوا کرتے تھے۔ جاحظ نے لکھا ہے:

.... اِنَّهُ يَعْرِضُ لِلْخَطِيْبِ فِيْهَا مِنَ الْحَصَرِ اَكْثَرَ مِمَّا يَعْرِضُ لِصَاحِبِ الْمِنْبَرِ. وَلِذٰلِكَ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: مَا اَتَصَعَّدُ فِيْ كَلَامٍ كَمَا اَتَصَعَّدُ فِيْ خُطْبَةِ النِّكَاحِ۔

.... مقرر کو اسٹیج پر بولنے والے سے زیادہ لکنت اور گھبراہٹ ہوتی ہے۔ اسی لیے حضرت عمرؓ نے فرمایا: مجھے کسی تقریر سے ایسی اُلجھن اور گھٹن محسوس نہیں ہوتی جیسے خطبۂ نکاح سے....[2]

مختصر یہ کہ علماءِ اَدب نے چند مختصر خطبوں اور تھوڑے سے نثری اقتباسات وکلمات نقل تو کیے ہیں لیکن نہ ان کی روایت جانچی ہے نہ کوئی ترتیب پیش نظر رکھی۔ پھر مقدار و کیفیت کے لحاظ سے قابل توجہ نہیں۔ عوام کو اس قسم کے ادب سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ یاد کرتے، نہ ان خطبوں کے خطیبوں کے مخصوص راوی ہوتے تھے۔ اس کی حیثیت وقتی بات کی سی ہوتی تھی، لوگ سُنتے اور بُھول جاتے تھے، اب اگر اتفاقاً کسی کو ایک آدھ جملہ، ایک دو خیال، پسند آ گئے تو بطور خود کہیں کہہ دیا، یہی ''کہہ دیا''، روایت بنتا تھا۔ بھلا جنگی رجز اور بہادرانہ للکار اور

---

[1] کتاب تاریخ اللغۃ العربیۃ، ج۲، ص۷۵۔

[2] البیان والتبیین، ج۱، ص۱۲۵۔

جذبات سے کھیلنے والے شعروں کے مقابلے نثر کی خشک و بے مزہ تقریریں کون یاد کرتا؟ لیکن جو کچھ ہے، اس سے اس گلستان کی بہار کا قیاس کرنا ممکن ہے۔ تنقید نگاروں کا سرسری جائزہ ہے کہ یہ ادب مقفیٰ و مسجع اور سادہ وغیر مسلسل، ادب اور رنگا رنگ اسلوب رکھتا ہے۔ جس میں اخلاقیات کے علاوہ فکر اور پیام کا نام نہیں۔

چھوٹے چھوٹے جملے:

خطبوں کے علاوہ، مکالمات وقضایا و وصایا اور مختلف جملوں پر مشتمل ذخیرۂ اَدب کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ عرض کردوں کہ جاحظ کا کہنا ہے کہ یونان، ہندوستان اور ایران کے مقابلے میں عربوں کا امتیاز شعر میں نہیں، خطبوں میں ہے کہ ان مقامات پر مقررین کا پتہ نہیں چلتا ، البتہ حکیمانہ گفتگو اور فلسفیانہ جملوں کی ان زبانوں میں کمی نہیں۔ درحقیقت کوئی الگ اور منفرد کلام کم ہی تھا، ہوا یہ کہ کسی کی تقریر سے کوئی پسندیدہ جملہ زبان زد ہوگیا، یا راوی کے ہاتھ لگا اور کتابوں میں آ گیا۔ مگر یہ جملے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ علامہ زمخشری نے لکھا ہے:

قُصَارَىٰ فَصَاحَةِ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ جَوَامِعُ كَلِمِهَا، وَنَوَادِرُ حِكَمِهَا، وَبَيْضَةُ مَنْطِقِهَا، وَزُبْدَةُ حِوَارِهَا، وَبَلَاغَتِهَا، الَّتِيْ أُغْرِبَتْ عَنِ الْقَرَائِحِ السَّلِيْمَةِ وَالرُّكْنِ الْبَدِيْعِ إِلَىٰ ذَرَابَةِ اللِّسَانِ وَغَرَابَةِ اللسِّنِّ، حَيْثُ أَوْجَزَتِ اللَّفْظَ فَأَشْبَعَتِ الْمَعْنَىٰ، وَقَصَّرَتِ الْعِبَارَةَ فَأَطَالَتِ الْمَغْزٰى۔[1]

اہل زبان عربوں کی ادبیّت کی انتہا ان کے جامع ترین کلمات، حکیمانہ نکتے، گفتگو کے جواہر پارے اور بلاغت کی روح وہ ہے جو اہل ذوق

---

[1] تاریخ الادب، ج ۲، ص ۲۳۰۔

طبیعتوں کی ایجاد اور آتش بیان زبانوں کی تیزی وندرت سے ترشے ہوئے جملوں کی شکل میں نظر آتا ہے۔

ان کلمات کی لفظیں مختصر اور عبارت تو چھوٹی ہوتی ہے مگر معنے وسیع اور گہرائی رکھتے ہیں۔

یہ جملے مسجع بھی ہیں اور رواں بھی۔ مختصر بھی ہیں اور کسی قدر غیر مختصر بھی۔ اخلاقی بھی ہیں اور فلسفی بھی۔ مثلاً

(۱) اَلَیْسَ لِکُلِّ حَالَۃٍ لَبُوْسُھَا اِمَّا نَعِیْمُھَا وَاِمَّا بُؤْسُھَا۔

خوشحالی ہو یا پریشانی، ہر حال ویسا ہی رنگ اختیار کرو۔

(۲) ثَارَ حَابِلُھُمْ عَلٰی نَابِلِھِمْ۔

ان کا نہتا ان کے ہتھیار بند پر جا پڑا۔

(۳) اَلْیَوْمَ خَمْرٌ، وَغَدًا اَمْرٌ۔

آج عشرتیں اور کل اصل معاملہ۔

(۴) اِنَّ الْبُغَاثَ بِاَرْضِنَا لَیَسْتَنْسِرُ۔

ہمارے علاقے میں عقاب، شاہین بن جاتے ہیں۔

(۵) اِنْ کُنْتَ رِیْحًا فَقَدْ لَاقَیْتَ اِعْصَارًا۔

اگر ہوا بن جاؤ تو مدتوں رہو گے۔

(۶) حَسْبُكَ مِنَ الْقِلَادَۃِ مَا اَحَاطَ بِالْعُنُقِ۔

گلو بند کے لیے اس سے زیادہ کیا کہا جائے کہ وہ گردن بند ہے۔

یہ ہے عربی اَدبِ جاہلیّت کا مختصر ترین جائزہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

اَلْکَلَامُ الَّذِیْ یُقْصَدُ مِنْہُ تَصْوِیْرُ الْمَعَانِیْ

النَّفْسِيَّةِوَالِاجْتِمَاعِيَّةِ، وَفِيهِ مَظْهَرٌ مِنْ قُوَى الْعَقْلِ وَالتَّفْكِيْرِ. وَلَا اَحْسَبُ اَنَّ الْعَرَبَ الْجَاهِلِيَّةَ حَظًّا مِنْ هٰذَا النَّوْعِ، لِاَنَّ النَّثْرَ بِهٰذَا الْمَعْنٰى لَا يَظْهَرُ وَلَا يَنْضُجُ اِلَّا حَيْثُ تَكُوْنُ الْحَضَارَةُ وَارِفَةَ الظِّلَالِ، كَامِلَةَ الْاَسْبَابِ، تَدْعُوْا حَالَتُهَا الطَّبِيْعِيَّةُ اِلٰى تَنْظِيْمِ الْجَمَاعَاتِ وَضَبْطِ اَنْظِمَتِهَا وَشُؤُوْنِهَا بِقُيُوْدِ الْعَقْلِ الَّتِيْ يُسَمُّوْنَهَا الْكِتَابَةَ اَوِ التَّدْوِيْنَ.

میرا خیال ہے کہ عرب جاہلیت کے پاس اس قسم کا نثری لٹریچر موجود نہیں، اس واسطے کہ ایسا ادب اس وقت رونما ہوتا ہے، جب تمدّن پھیل چکا ہو، ضروریات تہذیب مکمل ہوں۔ اس زمانے میں فطری طور پر جماعتوں میں تنظیم، نظام میں ہم آہنگی اور حکیمانہ آئین جاری ہوتے ہیں۔ تحریر یا تالیف کا ظہور اسی وقت ہوتا ہے۔

وَاِذَا عَدَدْنَالَهُمْ نَثْرًا فَاِنَّمَا هُوَ:(الف) حَدِيْثٌ يَدُوْرُ بَيْنَهُمْ فِيْ شُئُوْنِ الْمَعِيْشَةِ. (ب) اَوْ جُمَلٌ قَصِيْرَةٌ تَتَضَمَّنُ حِكْمَةً اَوْ مَثَلًا سَائِرًا الْحَكِيْمَ الْحُكَمَاءِ۔ (ج) اَوْ كَلَامٌ يَقُوْمُ بِهٖ نَابِهٌ مَشَانِعَةُالْمُلُوْكِ، وَفِي الْاِصْلَاحِ بَيْنَ الْقَبَائِلِ، اَوِ الْحَضِّ عَلَى الْقِتَالِ، اَوْ فِي التَّفَاخُرِ اَوِ التَّنَافُرِ. وَلَيْسَ فِيْ هٰذَا كُلِّهٖ شَيْءٌ مِنْ مَظَاهِرِ الْفَنِّ

الَّذِيْ نَجِدُهُ فِيْ شِعْرِهِمْ[1]

آج کا ادیب جب جاہلیّت کی نثر پر گفتگو کرتا ہے تو اسے کم وبیش چار چیزیں ملتی ہیں، (۱) وہ باتیں، جن کا تعلق ان کی روز مرّہ زندگی سے ہے۔ (۲) فلسفہ آمیز جملے یا کسی حکیم کی زبان سے نکلی ہوئی کہاوتیں۔ (۳) بادشاہوں سے مکالمے، قبائلی اصلاح، جنگی تحریک، فخریہ یا ہجویہ تقریریں۔ لیکن اس ذخیرے میں ہمیں کوئی ایسی فنی روشنی نہیں ملتی جو ان کے شعری ادب میں عام ہے۔

شعری اَدب

ابن سلام جمحی نے خوب کہا ہے کہ

عربوں کا شعری اَدب:

''دِيْوَانُ عِلْمِهِمْ، وَمُنْتَهٰى حِكْمَتِهِمْ، بِهِ يَأْخُذُوْنَ، وَاِلَيْهِ يَصِيْرُوْنَ''۔

ان کے علم کا دفتر، حکمت وفلسفہ کی معراج ہے، یہی ان کی ابتداء اور یہی انتہا ہے۔

ادب جاہلیت کے محسن اعظم ابوتمام نے اس دفتر کو ''نو بابوں''[2] پر تقسیم کیا ہے۔

۱۔ حماسہ (فخریہ و بہادرانہ) ۲۔ مراثی (حزینہ شاعری) ۳۔ نسیب (غزل) ۴۔

---

[1] المجمل ج ۱ ص ۱۵۔

[2] محمد بہجۃ الاثری نے ''المجمل فی تاریخ الادب العربی'' میں ان ابواب کو یوں تقسیم کیا ہے: ادب حکمۃ، فخر وحماسہ، وصف، غزل ،نسیب، مدیح، رثا، ہجا، عتاب، اعتذار جس میں نابغہ زبیانی منفرد ہے۔ (ص ۴۰۔ ۵۲)

الاضیاف والمدائح (مدح وصفات) ۵۔ باب الصفات (بیانیہ شاعری) ۶۔ السیر والنعاس (سفر و حالات سفر، عوامی شاعری) ۷۔ مُلَح (تلمیحی شاعری) ۸۔ مذمّت النساء (عورت)

ان آثار و تاریخی پس منظر میں اسلام کا اَدب:

اس پس منظر میں اسلام، وحدتِ فکر، پیام، علم و عمل لے کہ آیا۔ تشکیلِ کردار و معاشرہ اور عظمت امن و اہمیّت نثر لے کر آیا۔ خانہ جنگیاں ختم ہو گئیں، قصیدوں کو خانۂ کعبہ میں لٹکایا جانا بند ہو گیا۔ فخر و ہجو کے اجتماعات کی اہمیّت باقی نہ رہی۔

قرآن ایک واضح راستہ، روشن منارہ اور مثالی اَدب و زبان لے کر آیا۔ قریش کی بولی، سادگیٔ ادا، مطالب کی گہرائی، اصلاح و اخلاق کی گیرائی، اور اعجاز کی بلندیوں نے آفاق کے ذہن، زبانوں اور قلموں کے رخ موڑ دیے، دعوت قرآن و تبلیغ احکام کے لیے نظم کے بجائے نثر اور شاعر کے بجائے خطیب اور میلوں کے بجائے مسجدوں کی صفیں اور سنجیدہ اجتماعات ہونے لگے۔ اس دعوت، دعوت کا نقیب اور دین کا زعیم، اپنے ماضی کے کردار اور حال کی عظمت کو جلو میں لیے ختم نبوت کے منصب دار کی حیثیت سے جب بھی بولا، جو بھی پیام دیا، اس کے لیے نثر ہی کو تجویز فرمایا۔ نتیجہ یہ کہ اس تحریک کے تاثر سے عربی نثر متاثر ہوئی اور خطیب ابھرنے لگے۔

اس عہد کا عربی اَدب معتدل اور مہذّب اَدب ہے، کیونکہ اب تک ادیبوں میں ذہنی آوارگی تھی۔ اسلام نے ایک مقصد، ایک موضوع اور ایک اسلوب دیا، چنانچہ نظم و نثر ایک آہنگ پر آنے لگے، ان کے اَدب میں ''قرآن'' اور ''حدیث'' کا پرتو پڑنے لگا۔ اسلام نے نثر میں خطبوں، تقریروں، مکالموں، کے علاوہ مختصر اور طولانی احکام، بیانیہ مضمون اور خطوط کا نمایاں اضافہ کیا۔

اس اَدب کی تخلیق میں ''کعب بن لوی'' جیسے مشہور خطیب کی نسل کے بے مثال مجاہد ''ابوطالب'' سب سے پہلے شاعر اور خطیب ہیں۔ حضرت ابو طالب پہلے مسلمان ہیں جن کا خطبۂ نکاح تاریخوں میں محفوظ ہے۔ وہ اسلام کے پہلے شاعر ہیں، ان کا قصیدہ:

خَلِیْلِیَّ! مَا اُذُنِیْ لِاَوَّلِ عَاذِلٍ   بِصَغْوَاءَ فِیْ حَقٍّ وَلَا عِنْدَ بَاطِلٍ[1]

میرے دوستو، میرے کان پہلے ملامت کرنے والے کی ملامت پر غور نہیں کرتے، نہ حق میں نہ باطل میں۔

لوگوں کا کہنا ہے یہ لامیہ عرب کے بہترین لامیوں میں ہے۔

علی بن ابی طالبؑ کا اَدبی پس منظر:

ابوطالبؑ کی اَدبی قدر و قیمت، ان کی نثری و شعری قابلیّت کا اعتراف ایک طرف، قریش کی زبان و ادب دوسری طرف، گھر کا شخصیت ساز ماحول اور تمثال گر ماں باپ کی نگاہِ توجہ کے ساتھ ساتھ ہمت، جرأت، شجاعت، ذہنی استقامت اور ماحول پر چھا جانے کی صلاحیتیں سونے پر سُہاگہ بنی ہوئی تھیں۔ آغازِ دعوت کے وقت علی علیہ السلام کی عمر نو دس سال بھی بتائی گئی ہے۔ اور سب نے لکھا ہے کہ ۲۷ رجب سنہ ۱ھ بعثت سے ۲۸ صفر سنہ ۱۱ھ تک کوئی موقع ایسا نہیں جب تلوار، قلم، یا زبان سے دُشمن کو جواب نہ دیا ہو، ہر وقت بحثیں، دن بھر مکالمے رہتے ہوں گے، ظاہر ہے کہ حضرت علی علیہ السلام سب سے پہلے مددگار، جوان سال مجاہد، پر جوش حامی ہونے کی وجہ سے زیادہ تر ان معرکوں سے دوچار ہوئے، پیغمبرؐ کے کاتب و پیامبر ہونے کی وجہ سے اہم سے اہم تر خط لکھے۔ اور سورۂ برائت کی تبلیغ یا یمن میں کامیابی بتاتی ہے کہ اس عہد کے بولنے والوں میں علی علیہ السلام نڈر، تیز زبان، اور عظیم الشان مقرر تھے۔

---

[1] دیوان شیخ الاباطح اور زہرۃ الادباء فی شرح لامیۃ شیخ البطحاء، طبع حیدریہ نجف سنہ ۱۳۵۶ھ۔

تاریخ حسبِ معمول تقریروں کے نقل کرنے میں بخیل ہے۔لیکن ذکراذکار کے طور پر جو کچھ لکھا ہے اس کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ابھی تک لوگوں کو نثر سے اتنی دلچسپی نہیں ہوئی تھی کہ ان کے "فن پارے" پسندِ عام کی سند حاصل کرتے۔البتہ ''قرآن'' ان کی زبانوں کا وظیفہ اور پسندیدہ ترین سرمایہ تھا، کہ بحث ومناظرہ، قصص وبیانات کا بڑا بھاری ذخیرہ ہے۔

سنہ ۱۱ھ کے بعد عربوں کے معاشی، تمدّنی اور ذہنی حالات میں نمایاں فرق محسوس ہونے لگا۔لڑائیاں عربی سرحدوں سے آگے بڑھ گئیں۔دعوت کے لیے غیر قوموں اور دوسری زبان والوں سے پالا پڑا۔اس لیے تحریر وتقریر میں طول، سلاست اور تفہیمی انداز زیادہ ہونے لگا۔ نظم میں بھی جدید رجحانات نمایاں ہو گئے اور نثر میں بھی ''تخلیق'' کا عمل شروع ہوا، ہر ایک کا اپنا اپنا انداز اور الگ الگ اسلوب تھا۔ایران وروم آنے جانے سے جو نتائج رونما ہو سکتے تھے وہ بھی نمایاں ہوئے۔جاحظ کا کہنا ہے:

وَجُمْلَةُ الْقَوْلِ اَنَّا لَا نَعْرِفُ الْخُطَبَ اِلَّا لِلْعَرَبِ وَالْفُرْسِ۔ فَاَمَّا الْهِنْدُ فَاِنَّمَا لَهُمْ مَعَانٍ مُدَوَّنَةٌ، وَكُتُبٌ مُخَلَّدَةٌ، لَا تُضَافُ اِلٰى رَجُلٍ مَعْرُوْفٍ ،وَلَا اِلٰى عَالِمٍ مَوْصُوْفٍ، وَاِنَّمَا هِيَ كُتُبٌ مُتَوَارِثَةٌ، وَآدَابٌ عَلٰى وَجْهِ الدَّهْرِ سَائِرَةٌ مَذْكُوْرَةٌ۔ وَلِلْيُوْنَانِيِّيْنَ فَلْسَفَةٌ وَصَنَاعَةُ مَنْطِقٍ، وَكَانَ صَاحِبُ الْمَنْطِقِ نَفْسُهٗ بَكِيَّ اللِّسَانِ، غَيْرَ مَوْصُوْفٍ بِالْبَيَانِ، مَعَ عِلْمِهٖ بِتَمْيِيْزِ الْكَلَامِ وَتَفْصِيْلِهٖ وَمَعَانِيْهِ، وَبِخَصَائِصِهٖ. وَهُمْ يَزْعُمُوْنَ اَنَّ جَالِيْنُوْسَ كَانَ اَنْطَقَ النَّاسِ، وَلَمْ يَذْكُرُوْهُ بِالْخِطَابَةِ، وَلَا بِهٰذَا

الْجِنْسِ مِنَ الْبَلَاغَةِ.

مختصر یہ کہ ہم عربوں اور ایرانیوں کے علاوہ کسی کی تقریروں سے واقف نہیں، کیونکہ اہل ہند کے پاس ایک علم ہے جو کسی آدمی کی طرف منسوب نہیں، بلکہ صدیوں سے وہ ان کے پاس چلا آ رہا ہے اور وہ کتابیں نسلوں سے متوارث ہیں جس کے آداب نا معلوم مدت سے رائج ہیں۔ یونانیوں کے پاس فلسفہ و منطق تو ہے، مگر لطف یہ ہے کہ خود ان کا موجد فن کم سخن تھا اور اس کی قوت گویائی کا تذکرہ نہیں کیا جاتا، حالانکہ کلام، انداز کلام، تفصیلات وحقایق وخصوصیات سے باخبر تھا۔ یونانیوں کے خیال میں جالینوس بہت بڑا بولنے والا تھا، اس کے باوجود اس کی خطابت یا بلاغت کا ذکر نہیں ہے۔

وَفِي الْفُرْسِ خُطَبَاءُ، اِلَّا اَنَّ كُلَّ كَلَامٍ لِلْفُرْسِ، وَكُلَّ مَعْنًى لِلْعَجَمِ، فَاِنَّمَا هُوَ عَنْ طُوْلِ فِكْرَةٍ، وَعَنِ اجْتِهَادِ رَأْيٍ وَطُوْلِ خَلْوَةٍ، وَعَنْ مُشَاوَرَةٍ وَمُعَاوَنَةٍ، وَعَنْ طُولِ التَّفَكُّرِ، وَدِرَاسَةِ الْكُتُبِ، وَحِكَايَةِ الثَّانِيْ عِلْمَ الْاَوَّلِ، وَزِيَادَةِ الثَّالِثِ فِيْ عِلْمِ الثَّانِيْ، حَتّٰى اجْتَمَعَتْ ثِمَارُ تِلْكَ الْفِكَرِ عِنْدَ آخِرِهِمْ. وَكُلُّ شَيْءٍ لِلْعَرَبِ، فَاِنَّمَا هُوَ بَدِيْهَةٌ وَارْتِجَالٌ، وَكَاَنَّهُ اِلْهَامٌ. وَلَيْسَتْ هُنَاكَ مُعَانَاةٌ وَلَا مُكَابَدَةٌ، وَلَا اِجَالَةُ فِكْرَةٍ وَلَا اِسْتِعَانَةٌ. وَاِنَّمَا هُوَ يَصْرِفُ وَهْمَهُ اِلَى الْكَلَامِ، وَاِلٰى رَجَزِ يَوْمِ الْخِصَامِ. اَوْ

حِيْنَ يَمْتَحُ عَلٰى رَأْسِ بِئْرٍ، اَوْ يَحْدُوْ بِبَعِيْرٍ، اَوْ عِنْدَ الْمُقَارَعَةِ اَوِ الْمُنَاقَلَةِ، اَوْ عِنْدَ صِرَاعٍ اَوْ فِيْ حَرْبٍ. فَمَا هُوَ اِلَّا اَنْ يَصْرِفَ وَهْمَهٗ اِلٰى جُمْلَةِ الْمَذْهَبِ، وَاِلَى الْعَمُوْدِ الَّذِيْ يَقْصِدُ، فَتَاتِيْهِ الْمَعَانِيْ اَرْسَالًا، وَتَنْثَالُ عَلَيْهِ الْاَلْفَاظُ اِنْثِيَالًا.

ایران میں البتہ خطیب گزرے ہیں، لیکن ایرانیوں کی ہر گفتگو اور عجمیوں کی ہر تقریر، ایک گہری فکر اور دور رس اجتہاد کا نتیجہ ہوا کرتی تھی، اس میں خلوت پسندی، مشورہ میں احتیاط و ہمدردی ہے۔ ان کے علم کو دوسرے نے پہلے اور تیسرے نے دوسرے سے لیا اور بڑھایا اور آخر میں سب کا نچوڑ آخری شخص کے پاس آ گیا۔ رہے عرب تو ان کے پاس جو کچھ ہے ارتجالاً اور فوراً ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے الہام ہے کہ تکلف محنت و امداد وغیرہ کا نام بھی نہیں آتا۔ مقرر یا متکلم گفتگو کرنا چاہتا ہے، یا میدان میں لڑنے آتا اور رجز سناتا ہے۔ کنویں پر پانی کے لیے آتا اور گیت گاتا ہے۔ اونٹ ہنکا رہا ہے اور ''حدیٰ'' (ترانہ) پڑھتا ہے۔ جنگ یا کشتی یا اور کسی موقعہ پر وہ پہلے اسلوب وغیرہ کو نہیں دیکھتا۔ وہ واقعہ کے نتائج کو دیکھ کر رواں و مسلسل انداز میں سوچے بغیر بولتا ہے۔

ثُمَّ لَا يُقَيِّدُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ، وَلَا يَدْرُسُهٗ اَحَدًا مِنْ وَلَدِهٖ. وَكَانُوْا اُمِّيِّيْنَ لَا يَكْتُبُوْنَ، وَمَطْبُوْعِيْنَ لَا يَتَكَلَّفُوْنَ، وَكَانَ الْكَلَامُ الْجَيِّدُ عِنْدَهُمْ اَظْهَرُ وَاَكْثَرُ، وَهُمْ عَلَيْهِ

اَقْدَرُ، وَلَهُ اَقْهَرُ. وَكُلٌّ وَاحِدٍ فِيْ نَفْسِهٖ اَنْطَقُ، وَمَكَانُهٗ مِنَ الْبَيَانِ اَرْفَعُ. وَخُطَبَاؤُهُمْ لِلْكَلَامِ اَوْجَدُ، وَالْكَلَامُ عَلَيْهِمْ اَسْهَلُ، وَهُوَ عَلَيْهِمْ اَيْسَرُ مِنْ اَنْ يَفْتَقِرُوْا اِلٰى تَحَفُّظٍ، وَيَحْتَاجُوْا اِلٰى تَدَارُسٍ۔ وَلَيْسَ كَمَنْ حَفِظَ عِلْمَ غَيْرِهٖ، وَاحْتَذٰى عَلٰى كَلَامِ مَنْ كَانَ قَبْلَهٗ. فَلَمْ يَحْفَظُوْا اِلَّا مَا عَلِقَ بِقُلُوْبِهِمْ وَالْتَحَمَ بِصُدُوْرِهِمْ، وَاتَّصَلَ بِعُقُوْلِهِمْ، مِنْ غَيْرِ تَكَلُّفٍ وَلَا قَصْدٍ وَلَا تَحَفُّظٍ وَلَا طَلَبٍ. وَاِنَّ شَيْئًا هٰذَا الَّذِيْ فِيْ اَيْدِيْنَا جُزْءٌ مِنْهُ.

پھر نہ ان باتوں کو قلم بند کرتا ہے نہ اپنے بچوں کو سکھاتا ہے اس لیے وہ سب کے سب ان پڑھ تھے۔ لکھنا نہیں جانتے تھے۔ سادہ مزاج و تکلف سے نا آشنا تھے۔ ہاں باتیں کرنا خوب جانتے تھے۔ ہر ایک بہترین مقرر تھا۔ یہ مقرر مختصر گو، سہل پسند اور ایسے کہ ان کی تقریروں کے لے یاد کرنے کی ضرورت نہ پڑے، یا پڑھنے کی احتیاج نہ ہو۔ نہ ان کا یہ دستور تھا کہ دوسروں سے سیکھ کر ان کے انداز پر چلتے اور ماضی کی روایتوں کو دُہراتے۔ ان کے دلوں میں جو بیٹھ گئی وہ رہ گئی، ورنہ یاد کرنے کا سوال ہی نہ تھا۔ ان کو پہلے سے نیت کرنے، تیار ہونے، جستجو کرنے کی فکر نہیں تھی۔ آج جو ذخیرہ ہمارے پاس ہے وہ اس خزانے کا ایک معمولی سا حصّہ ہے[1]

اسلامی اَدب کے بارے میں جاحظ کا یہ بیان بڑی اہمیّت رکھتا ہے، جس کے تفصیلی

---

[1] البیان والتبیین، ج ۳، ص ۲۰۔۲۱۔

تجزیے کے بجائے صرف یہ کہتا ہے کہ یونان وایران و ہند کے اَدب سے واقفیّت کی راہیں کھلنے کے بعد بھی خالص عربی ماحول میں ''ادب'' کوئی مقام نہیں حاصل کر سکا تھا۔ اس دور کے اَدبی نمونے بڑی حد تک محفوظ ہیں اور معاصرین اور متاخرین نے ان کو حتی الامکان بچانے کی کوشش کی، کہ لوگوں کو اس دور کے اکابر اور بڑی شخصیتوں سے عقیدت، ارادت اور دلی وابستگی تھی اور ان کا ادبی دور انہی بڑوں کا مرہون کرم ہے۔ بقول حسن سندوبی:

وَكَانَتِ الْمَادَّةُ الَّتِيْ يُكَوِّنُوْنَ بِهَا مَعَارِفَهُمْ وَيُرَبُّوْنَ بِهَا مَعْلُوْمَاتِهِمْ لَا تَكَادُ تَخْرُجُ عَنْ حَدِّ الْحِفْظِ لِكِتَابِ اللّٰهِ الْكَرِيْمِ، وَمَا ثَبَتَ لَدَيْهِمْ مِنْ اَحَادِيْثِ الرَّسُوْلِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، وَاسْتِظْهَارِ الْجَيِّدِ مِنْ كَلَامِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ وَخُطَبِهِمُ الْجَامِعَةِ. لَاسِيَّمَا خُطَبُ الْاِمَامِ عَلِيٍّ وَرَسَائِلِهِ الْبَلِيْغَةِ وَكَلِمَاتِهِ الْبَارِعَةِ۔۔۔۔

وہ مواد جس سے ان ادیبوں کے ادب کی تکمیل اور ان کے معلومات میں باقاعدگی ہوتی تھی وہ مندرجہ ذیل حدود میں گھرا ہوا تھا: قرآن (جس کے حافظ تھے)۔ احادیث، خلفائے راشدین کے کلمات وخطبات خصوصاً امام حضرت علی علیہ السلام کی تقریریں اور معیاری ادب نواز خطوط اور بے مثال کلمات۔۔۔۔[1]

اس دور کے ادیبوں میں ''عبداللہ بن عباس'' جیسا ادیب ومفسر عام طور پر حضرت علی علیہ السلام کا شاگرد رشید مانا جاتا ہے، خود جناب ابن عباس نے بار بار علی علیہ السلام کی ادبیت اور اس

[1] مقدمہ بیان والتبیین، جاحظ، ص ۵۔۶

سے تاثر کو ظاہر کیا ہے۔ کبھی کہا:

مَا انْتَفَعْتُ بِمِثْلِ هٰذَا الْكَلَامِ۔ اس کلام کے مقابلے میں کسی کلام سے اتنا نفع مجھے نہیں ہوا۔

انہوں نے خطبات علی علیہ السلام کو خاص طور پر حفظ کیا تھا۔ ابوذر کی خاراشگاف واثر انگیز تقریریں پیغمبر کریمؐ کے کردار اور علی علیہ السلام کے زور کلام کی حامل ہیں۔

کلامِ علی علیہ السلام کی تاثیر زائی کے فنی وجوہ

"حسن زیات" کے بقول تو امیر المومنینؑ کی زندگی، قرآن وحدیث، تربیت رسولؐ اور ذاتی بلند نگاہی سے نورانی تھی۔ لیکن فنی وانتقادی نقطۂ نظر سے ان اسباب کو معلوم کرنا بھی آسان ہے، جن کے ماتحت اس کلام نے عربی ادب کو متاثر کیا۔ یہ اسباب درحقیقت کلام علی علیہ السلام کے مجموعی خصوصیات ہیں، جن سے دوسرے صحابہ کا کلام خالی ہے۔ مثلا

ا۔ کلام علی علیہ السلام موضوع، مواد، ہیئت اور مقدار کے لحاظ سے تمام صحابہ کے کلام سے زیادہ ہے۔ اس میں (الف) ۔خطبے اور تقریریں (ب)۔خط اور معاہدے ۔(ج)۔ دُعائیں اور مناجاتیں (د)۔کلمات قصار اور فیصلے۔(ہ)۔اشعار اور رجزیں۔

اس ذخیرے میں اصول دین، احکام کی تشریح تفسیر، نفسیات، واقعات، مشاہدات، فلسفہ، مناظرہ، جدّت، اخلاق، قانون مملکت، اصول حیات سے بحثیں ہیں۔

صرف خطبات (جن میں چھوٹے بڑے خطبے داخل ہیں) کم از کم چار سو کے قریب ہیں، خطوط کی تعداد بھی سو، سوا سو سے کم نہیں، مختصر جملے ابھی تک اندازے سے باہر ہیں، اشعار اگرچہ کم ہیں مگر اہمیّت اتنی ضرور ہے کہ بعض ممالک کے عربی نصاب میں مدتوں رائج رہے۔

اس تاثیر میں ابن عباس اور علامہ زمخشری[1] جیسے ادیب مفسر، ہمام وصعصعہ جیسے عابد، حارث اعور وجاحظ جیسی شخصیتیں شریک ہیں۔

۲۔اثر آفرینی کا دوسرا سبب کلام کی ہمواری اور اسلوب کی یکساں بلند آہنگی ہے۔ادب وتاریخ کی چھوٹی بڑی کتابوں میں پھیلے ہوئے کلام کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ دو تین (اور صرف دو تین) مقامات کے علاوہ حضرت کا کلام ایک غیبی سروش، روحانی سکون، معصومانہ انداز اور غیر مشتعل یا غیر منفعل انداز کا آئینہ دار ہے۔

وہ مقامات کہ جہاں غیر معمولی اسلوب نظر آتا ہے۔(جیسے خطبہ شقشقیہ) وہ بھی در حقیقت اس پس منظر کے لحاظ سے جو کچھ بھی جناب امیرؑ سے متعلق تھا۔اسی طرح دوسرے مقامات، خصوصاً جب ان کلمات کا دوسرے اشخاص کے اقدامی یا جوابی گفتگو سے تقابلی مطالعہ کیا جائے۔

گفتگو میں نشیب وفراز کا اندازہ لگانے کے لیے، [2]ماہرِ فن کا عام فن پارہ کار آمد نہیں ہوتا، بلکہ انتہائی خوشی، انتہائی غُصّہ اور انتہائی غم یعنی جوش آفرین مقامات لائق مطالعہ ہوتے ہیں۔امیر المومنینؑ کے لیے انتہائی جوش آفرین کے کئی موقع ہو سکتے تھے۔مثلاً وفات پیغمبرؐ، وفات جناب معصومہؑ، خود اپنے آخری لمحاتِ حیات، کہ ان موقعوں میں جوش، یاس، شدّت غم، فراوانی جذبات کا اظہار غیر شعوری طور پر ہو سکتا تھا۔

---

[1] تفسیر کشاف طبع کلکتہ ص ۵۱۷ میں ہے: وَنَاهِيكَ فِيْ خُطَبِ اَمِيْرِ الْمُوْمِنِيْنَ رَضِىَ اَللّٰهُ عَنْهُ فِيْ اَيَّامِ صِفِّيْنَ وَ مَشَاهِدِهٖ مَعَ الْبُغَاةِ وَ الْخَوَارِجِ مِنَ الْبَلاغَةِ والْبَيَانِ ولَطَائِفِ الْمَعَانِيْ وَبَلِيْغَاتِ الْمَوَاعِظِ وَالنَّصَائِحِ۔ صفین اور دوسرے باغیوں یا خارجیوں سے جنگ کے موقعوں پر امیر المومنینؑ کے خطبے کافی ہیں کہ ان میں بلاغت بیان، بہترین مطالب اور مؤثر ترین وعظ ونصیحت ہے۔۔۔(جار اللہ زمخشری م ۵۳۸ھ)

[2] اس سلسلے میں حارث کا قول آگے پڑھیں گے۔

لیکن آپ دیکھیں گے کہ حضرت ان موقعوں پر ایک معیاری صبر اور مثالی قرار پیش کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ کے غسل کے وقت فرمایا ہے:

بِاَبِیۡ اَنۡتَ وَ اُمِّیۡ یَا رَسُوۡلَ اللهِ! لَقَدِ انۡقَطَعَ بِمَوۡتِكَ مَا لَمۡ یَنۡقَطِعۡ بِمَوۡتِ غَیۡرِكَ مِنَ النُّبُوَّةِ وَ الۡاَنۡبَآءِ وَ اَخۡبَارِ السَّمَآءِ، خَصَّصۡتَ حَتّٰی صِرۡتَ مُسَلِّیًا عَمَّنۡ سِوَاكَ، وَ عَمَّمۡتَ حَتّٰی صَارَ النَّاسُ فِیۡكَ سَوَآءً، وَ لَوۡلَاۤ اَنَّكَ اَمَرۡتَ بِالصَّبۡرِ، وَ نَهَیۡتَ عَنِ الۡجَزَعِ، لَاَنۡفَدۡنَا عَلَیۡكَ مَآءَ الشُّؤُوۡنِ، وَ لَكَانَ الدَّآءُ مُمَاطِلًا، وَ الۡكَمَدُ مُحَالِفًا، وَ قَلَّا لَكَ! وَ لٰكِنَّهٗ مَا لَا یُمۡلَكُ رَدُّهٗ، وَ لَا یُسۡتَطَاعُ دَفۡعُهٗ. بِاَبِیۡ اَنۡتَ وَ اُمِّیۡ! اذۡكُرۡنَا عِنۡدَ رَبِّكَ، وَ اجۡعَلۡنَا مِنۡ بَالِكَ!۔

میرے ماں باپ نثار! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی موت سے ایسی باتیں ختم ہوگئیں جو کسی اور کے مرنے سے نہیں ہوسکتی تھیں، نبوت کا سلسلہ جاتا رہا، غیب کی خبریں بند ہوگئیں، آسمانی پیام رُک گئے۔ آپؐ نے گوشہ نشینی اختیار کی تو دوسروں کی ضرورت نہ رہی اور مل بیٹھے تو تمام انسان ایک سطح پر کردیے۔ آپ نے خاموشی کا حکم اور تڑپنے سے روکا نہ ہوتا، تو میں اپنی آنکھوں کے آنسو ختم کر دیتا۔ اور یہ سانحہ جان لیوا اور غم جاں فرسا ہونے کے بعد بھی اپنی تاثیر ختم نہ کرتا۔۔۔ اس کے بعد بھی آئے آنسو پلٹائے اور نازل شدہ غم ہٹانا ممکن نہیں۔ میرے ماں باپ صدقے! ہمیں بھی اپنے پروردگار کے سامنے یاد کر لیجئے گا اور ہمیں بھی ذہن میں رکھیے

گا۔[1]

حضرت معصومہ کے موقعہ دفن پر فرمایا تھا:

اَلسَّلَامُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ عَنِّیْ، وَ عَنِ ابْنَتِکَ النَّازِلَۃِ فِیْ جِوَارِکَ، وَ السَّرِیْعَۃِ اللَّحَاقِ بِکَ! قَلَّ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! عَنْ صَفِیَّتِکَ صَبْرِیْ، وَ رَقَّ عَنْهَا تَجَلُّدِیْ، اِلَّآ اَنَّ لِیْ فِی التَّاَسِّیْ بِعَظِیْمِ فُرْقَتِکَ، وَ فَادِحِ مُصِیْبَتِکَ، مَوْضِعَ تَعَزٍّ، فَلَقَدْ وَسَّدْتُّکَ فِیْ مَلْحُوْدَۃِ قَبْرِکَ، وَ فَاضَتْ بَیْنَ نَحْرِیْ وَ صَدْرِیْ نَفْسُکَ.﴿اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ﴾، فَلَقَدِ اسْتُرْجِعَتِ الْوَدِیْعَۃُ، وَ اُخِذَتِ الرَّهِیْنَۃُ! اَمَّا حُزْنِیْ فَسَرْمَدٌ، وَ اَمَّا لَیْلِیْ فَمُسَهَّدٌ، اِلٰٓی اَنْ یَّخْتَارَ اللّٰہُ لِیْ دَارَکَ الَّتِیْٓ اَنْتَ بِهَا مُقِیْمٌ.وَ سَتُنَبِّئُکَ ابْنَتُکَ بِتَضَافُرِ اُمَّتِکَ عَلٰی هَضْمِهَا، فَاَحْفِهَا السُّؤَالَ، وَ اسْتَخْبِرْهَا الْحَالَ، هٰذَا وَ لَمْ یَطُلِ الْعَهْدُ، وَ لَمْ یَخْلُ مِنْکَ الذِّکْرُ.وَ السَّلَامُ عَلَیْکُمَا سَلَامَ مُوَدِّعٍ، لَا قَالٍ وَّ لَا سَئِمٍ، فَاِنْ اَنْصَرِفْ فَلَا عَنْ مَّلَالَۃٍ، وَ اِنْ اُقِمْ فَلَا عَنْ سُوْٓءِ ظَنٍّ بِمَا وَعَدَ اللّٰہُ الصَّابِرِیْنَ.

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرا اور اپنی اس حاضر ہونے والی بیٹی کا سلام قبول کیجیے کہ وہ آپ کے پڑوس میں آرہی ہیں اور بہت جلدی آپ سے مل رہی ہیں۔ یا

---

[1] نہج البلاغہ، ج ا، ص ۲۵۵ شرح عبد الحمید۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ کی صاحبزادی کے غم میں میرا صبر تھوڑا اور برداشت کم ہے لیکن آپ کے فراق کا صدمہ اس غم میں میرے لیے صبر آموز ہے، کہ میں نے سخت ترین سانحہ اور عظیم الشان واقعہ دیکھا ہی نہیں، بلکہ آپ کو اپنے ہاتھوں قبر میں اتارا، میرے ہی آغوش میں آپ نے آخری سانس لی ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ مجھ سے آپ کی امانت واپس لے لی گئی، اب میرا غم تو ہوش افزا ہے، جب تک بھی زندہ رہوں۔ آپ کی بیٹی آپ کو اُمّت کی بیداد سُنائیں گی۔ ذرا پوچھ لیں حالانکہ آپ کی رحلت کو نہ تو زیادہ دن گزرے نہ آپ کی یاد فراموش ہوئی۔ اچھا پھر آپ دونوں سے رخصت ہوتا ہوں، لیکن یہ وداع گھبرا کر اور دل تنگ ہو کر نہیں بلکہ اگر استادہ ہوں (اور غمزدہ) تو وعدۂ خدا پر شبہ نہیں ہوگا۔[1]

خود اپنی رحلت کے وقت فرمایا:

اَيُّهَا النَّاسُ! كُلُّ امْرِئٍ لَّاقٍ مَّا يَفِرُّ مِنْهُ فِيْ فِرَارِهٖ، وَ الْاَجَلُ مَسَاقُ النَّفْسِ، وَ الْهَرَبُ مِنْهُ مُوَافَاتُهٗ. كَمْ اَطْرَدْتُّ الْاَيَّامَ اَبْحَثُهَا عَنْ مَّكْنُوْنِ هٰذَا الْاَمْرِ. فَاَبَى اللهُ اِلَّآ اِخْفَآءَهٗ، هَيْهَاتَ! عِلْمٌ مَّخْزُوْنٌ!. اَمَّا وَصِيَّتِيْ: فَاللهُ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا، وَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا تُضَيِّعُوْا سُنَّتَهٗ، اَقِيْمُوْا هٰذَيْنِ الْعَمُوْدَيْنِ، وَ اَوْقِدُوْا هٰذَيْنِ الْمِصْبَاحَيْنِ، وَ خَلَاكُمْ ذَمٌّ مَّالَمْ تَشْرُدُوْا. حُمِّلَ كُلُّ امْرِئٍ مَّجْهُوْدَهٗ،

---

[1] نہج عبدالحمید، ج ۲، ص ۲۰۷۔

وَ خُفِّفَ عَنِ الْجَهَلَةِ، رَبٌّ رَّحِيْمٌ، وَ دِيْنٌ قَوِيْمٌ، وَ اِمَامٌ عَلِيْمٌ. اَنَا بِالْاَمْسِ صَاحِبُكُمْ، وَ اَنَا الْيَوْمَ عِبْرَةٌ لَّكُمْ، وَ غَدًا مُّفَارِقُكُمْ!

لوگو! جس سے لوگ بھاگ رہے ہیں اس سے بہر حال دو چار ہونا ہے۔ موت تو جان کی آخری منزل ہے اس سے بھاگنا ہی اس کے پاس جانا ہے۔ میں مدتوں اس راز کی جستجو میں رہا، لیکن خدا نے اسے پوشیدہ تر ہی رکھا۔ ہاں وہ ایک بھید ہے۔ میری وصیت ہے کہ شرک نہ کرنا اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہمیّت اور حضرتؐ کی سنت کو فراموشش نہ کرنا۔ ان دونوں (توحید و نبوت) ستونوں کو قائم اور ان دونوں چراغوں کو روشن رکھو۔ خدا تمہیں ہر عیب سے بچائے۔ ہر ایک نے میرے احکام اپنے امکان بھر، مانے اور جہالت سے بچا۔ یاد رہے! خدا رحیم ہے، دین استوار ہے۔ امام بھی باخبر ہے۔ میں کل تمہارا ہم نشین اور آج عبرت اور کل تمہیں چھوڑنے والا ہوں گا۔

بیعتِ سقیفہ کے موقعہ پر کوئی مشتعل تقریر یا تحریر تاریخوں میں نہیں، جنگ جمل و صفین و نہروان میں کسی انتقامی یا غیر اخلاقی، مشتعل یا ناہموار گفتگو نہیں فرمائی۔ جوابی کلام مخاطب کے انداز میں اس وقت ملتا ہے، جب عوام میں غلط فہمی یا حق کے چھپنے یا اس کے ذلیل ہونے کا موقعہ ہوا ہے۔

۳۔ یقین کی پختگی، بیان کا خلوص اور خلوص کا رچاؤ، اعتقادات و معارف کی وہ جلوہ گری ہے، کہ سننے والے تو جو اثر لیتے ہوں گے وہ تو مسلّم ہے، آج بھی پڑھنے والا ایک

دنیائے الہام ونوائے سروش، زبان علی علیہ السلام، وصدائے موج اعجاز میں امتیاز نہیں کر سکتا کہ (فوق کلام المخلوق) بشری اندازِ اَدب سے بلند تر و ممتاز نظر آتا ہے۔

حمد وثنا، توحید وعرفان، تفسیر وحدیث، فلسفہ وسائنس، اخلاق وقانون، زندگی وموت، دنیا وآخرت، مادہ وروح، ارضیات وفلکیات پھر جو کچھ اس ماحول میں کہا جا سکتا تھا فرمایا اور اس معیار پر کہ عقل انسانی دنگ ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسی تخلیق ہر شعور کو متاثر کرتی ہے، لاشعور پر اس کا اثر ہوتا ہے اور ناممکن ہے کہ ایسے اَدب سے دوچار ہونے والا ادیب اپنے فن میں اس سے متاثر نہ ہو۔

۴۔ بے ساختگی اور آمد، کلام علی علیہ السلام کا بہت بڑا اور اہم خاصہ ہے۔

اَدب پارے کی تخلیق میں، تراش خراش، کانٹ چھانٹ اور اصلاح کو بڑا دخل ہوتا ہے اور ایسے اَدیب کے بارے میں جو رائے قائم کی جائے وہ ایک طرف اور ارتجالیہ اَدب پر رائے دوسری طرف بڑی اہمیت رکھتی ہے، خلفاء راشدین جن کے اَدب سے عربی اَدب کا تاثر مشہور ہے، اپنی تقریروں کے لحاظ سے تین قسم کے تھے۔ خطیب وادیب جیسے جناب ابوبکرؓ وعمرؓ، کم سخن وغیرہ خطیب جیسے جناب عثمانؓ، ان میں سے بقول حضرت عثمان اول الذکر دو حضرات تقریریں تیار کر کے آتے تھے۔[1]

پھر حضرت عمر شعر کے حسن وقبح کے جوہری تھے مگر تقریر (مجلسی گفتگو اور بعض خطبوں) کے لیے ان کا قول ہے:

مَا یَتَصَعَّدُنِیْ کَلَامٌ کَمَا تَتَصَعَّدُنِیْ خُطْبَةُ النِّکَاحِ۔

مجھے خطبۂ نکاح جیسی اُلجھن کسی گفتگو کے موقعے پر نہیں ہوتی۔

---

[1] ملاحظہ ہو البیان والتبیین، ج ۲، ص ۱۹۵۔

لیکن علی علیہ السلام کے خطابے فوری اور ارتجالی، فی البدیہہ اور بے ساختہ ہوتے تھے۔ پشت فرس، فرش مسجد، منبر ہر جگہ ان کا اعلان کہ

"سَلُوْنِیْ قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُوْنِیْ" جو پوچھنا ہو پوچھ لو!

لوگ پوچھتے تھے اور آپؑ بتاتے تھے اور اس طرح کہ اس سے پہلے تو کیا، اس کے بعد بھی شاید کسی نے نہیں بتایا۔

حارث اعور کہتے ہیں:

وَاللّٰهِ لَقَدْ رَأَيْتُ عَلِيًّا، وَاَنَّهُ لَيَخْطُبُ قَاعِدًا كَقَائِمٍ، وَمُحَارِبًا كَالسَّالِمِ يُرِيْدُ بِقَوْلِهٖ: »قَاعِدًا«، خُطْبَةَ النِّكَاحِ۔

بخدا، میں نے علی علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ بزم میں بیٹھ کر بھی ویسی ہی تقریر کرتے تھے جیسے (منبر پر) کھڑے ہو کر اور جنگ میں بھی وہی انداز کلام تھا جیسا کہ صلح میں۔ بیٹھ کر خطبہ نکاح ہوتا تھا۔[۱]

۵۔ امیر المومنینؑ دوسرے صحابہ کے مقابلے میں خود مؤلف و مصنف بھی تھے۔ انہوں نے قرآن لکھا، حدیثیں جمع کیں، خود اپنے تاثرات و تعلیمات قلم بند فرمائے۔ خلفائے راشدین و عام صحابہ میں سے کسی نے بھی، حضرت جیسے آثار قلم نہیں چھوڑے۔

حضرت کا وصیت نامہ، دستور'' بنام مالک اشتر'' جیسے گرانقدر ادبی و فلسفی تصنیفات کی قیمت و اہمیت کا کون انکار کرسکتا ہے۔

۶۔ آخری بات یہ ہے کہ علی علیہ السلام اپنے معاصرین میں اسلوبِ قرآن سے اس حد تک

---

[۱] البیان والتبیین، جاحظ، ج۱ص۱۱۔

متاثر ہوئے کہ ان کے کلام کو فوق کلامِ مخلوق کہا جائے گا۔

حضرت کی تحریر وتقریر میں، قافیہ سنجی، روانی، اشارات نگاری، سجع اور معرّا انداز بالکل قرآن وخطب نبیؐ کی طرح ہیں جسے عربی ادب کا کوئی ماہر جھٹلا نہیں سکتا۔

عربی اَدب سے ان تاثرات کی نشان دہی

اصل میں ایسے ثبوت فراہم کرنے کی کوشش اس وقت کرنا پڑتی ہے، جب کہ کوئی شخص ہمارا سابقہ دعویٰ نہ مانے اور شاید آج تک کوئی ایسا صاحب قلم اور کوئی زبان گو یا اس تاثیر وتاثر کی منکر نہیں ہوئی لیکن موضوع کو اُجاگر اور روشن کرنے کے لیے چند بیانات حاضر ہیں۔

۱۔ابو الاسود دوئلی (متوفی ۶۷ھ) سے حضرتؑ نے چند منٹ کچھ باتیں کی تھیں کہ عربی ادب کا بنیادی اور پہلا قلعہ ''علمِ نحو'' تیار ہوگیا۔ اور آج تک عربی ادب وزبان اسی سر چشمہ کے آب حیات سے سیراب ہو رہی ہے۔

۲۔عربوں میں کلام علی علیہ السلام کی روایت اور شہرت اتنی عام تھی کہ ان کے بولنے والے غیر شعوری طور پر حضرتؑ کے جملے اور اسلوب اپناتے اور بے ساختہ طور پر ان ملفوظات گرامی کو استعمال کرتے تھے۔ مثلاً ابن عبدربہ نے (العقد الفرید، ج ۲،ص ۳۳) میں لکھا ہے۔

اَلْعُتْبِیُّ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْاَهْتَمِ: مَاتَ لِیَ ابْنٌ وَاَنَا بِمَكَّةَ، فَجَزِعْتُ عَلَيْهِ جَزَعًا شَدِيْدًا، فَدَخَلَ عَلَیَّ ابْنُ جُرَيْحٍ يُعَزِّيْنِیْ، فَقَالَ لِیْ: يَا اَبَا مُحَمَّدٍ! اسْلُ صَبْرًا وَاحْتِسَابًا قَبْلَ اَنْ تَسْلُوَ غَفْلَةً وَنِسْيَانًا، كَمَا تَسْلُو الْبَهَائِمُ.

بروایت عتبی، عبداللہ بن اہتم نے کہا کہ: ان کا ایک لڑکا مر گیا (ان

دنوں یہ مکے میں تھے) اس غم میں بہت بے چین ہوئے۔ابن جریح ماتم پرسی وتعزیت کے لیے آئے اور کہا: ابو محمد! راضی برضا رہ کر صبر کرو، اس سے پہلے کہ لاشعوری طور پر صبر کرنا پڑے، جو حیوانوں کی جیسی بے چارگی ہوگی۔[1]

وَهٰذَا الْكَلَامُ لِعَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ كَرَّمَ اللهُ وَجْهَهٗ يُعَزِّى الْاَشْعَثَ بْنَ قَيْسٍ عَنِ ابْنٍ لَهٗ. مِنْهُ اَخَذَ ابْنُ جُرَيْحٍ. وَقَدْ ذَكَرَهٗ حَبِيْبٌ فِيْ شِعْرِهٖ: قَالَ عَلِيٌّ فِي التَّعَازِىْ لِاَشْعَثَ وَخَافَ عَلَيْهِ بَعْضَ تِلْكَ الْمَآثِمِ اَتَصْبِرُ لِلْبَلْوٰى عَزَاءً وَحِسْبَةً فَتُؤْجَرَ اَمْ تَسْلُوْ سُلُوَّ الْبَهَائِمِ۔اَتٰى عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ كَرَّمَ اللهُ وَجْهَهٗ الْاَشْعَثَ. يُعَزِّيْهِ عَنِ ابْنِهٖ فَقَالَ: اِنْ تَحْزَنْ فَقَدِ اسْتَحَقَّتْ ذٰلِكَ مِنْكَ الرَّحِمُ، وَاِنْ تَصْبِرْ فَاِنَّ فِي اللهِ خَلَفًا مِنْ كُلِّ هَالِكٍ مَعَ اَنَّكَ اِنْ صَبَرْتَ جَرٰى عَلَيْكَ الْقَدَرُ وَاَنْتَ مَأْجُوْرٌ، وَاِنْ جَزِعْتَ جَرٰى عَلَيْكَ الْقَدَرُ وَاَنْتَ آثِمٌ۔

ابن عبدربہ لکھتے ہیں کہ یہ علی بن ابی طالب علیہالسلام کے کلام سے ماخوذ ہے جیسے حبیب نے اپنے شعروں میں لکھا ہے وقَالَ عَلِيٌّ ---ہوا یہ کہ علی علیہالسلام اشعت کے لڑکے کی تعزیت کے لیے آئے اور فرمایا: ”اگر

[1] العقد الفرید، ج ۲، ص ۳۳۔

غم کرتے ہو، تو واقعی تمہیں حق ہے کہ خون تھا، ہاں اگر صبر کرو گے تو خدا ہر مرنے والے کا نعم البدل بھی دیتا ہے اور یہ بھی کہ مشیت خدا جاری ہو چکی ہے، تمہیں ثوابِ صبر ملے گا لیکن اگر روئے پیٹے تو موت رک نہیں سکتی اور تمہیں بہر حال گناہ ہوگا''۔

اس عبارت سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(الف) حضرتؑ کا کلام ادیبوں پر چھایا ہوا تھا کہ شاعر و شار دونوں جانتے ہیں۔

(ب) حبیب اور عتبی دونوں اس بات کو محسوس کرتے تھے اور نشان دہی بھی۔

(ج) سید رضیؒ اس جیسے اہم اور پُر تاثیر کلام سے واقف تھے اور نہج البلاغہ میں اہتمام کے ساتھ ایسی ہی چیزوں کو محفوظ کیا ہے۔

چنانچہ ابن عبد ربہ کے نقل کردہ جملوں کو یوں لکھا ہے:

اِنْ صَبَرْتَ صَبْرَ الْاَکَارِمِ، وَاِلَّا سَلَوْتَ سُلُوَّ الْبَهَآئِمِ.

یا شریفوں کی طرح صبر کرو، ورنہ جانوروں کی طرح خاموش ہونا پڑے گا۔

پھر ایک دوسری روایت بھی لکھی۔[1]

روایت و شوق مطالعہ کے بعد درس و تدریس، جمع و تالیف کا دور آیا اور ادیبوں نے جمع و تالیف، قلم بند و تحریر کرنے کی طرف توجہ کی۔ چنانچہ اس دور میں عبداللہ حر جعفی، جو معاویہ کا طرف دار تھا، کلام علی علیہ السلام کا شیدائی ہوا اور اپنی آزادہ روی کے باوجود کلام علی علیہ السلام کو "خطب امیر المومنینؑ" کے نام سے جمع کر کے چھوڑ گیا۔

خلیل نے "دائرہ معارف علوی" میں لکھا ہے۔

---

[1] دیکھیے صفحات نہج طبع ایران قدیم ۲۹۵ و ۳۰۵۔

”مالک اشتر به حارث اعور ہمدانی که خود فقیه و از صاحبان اسرار
علی است ، روزے که غائب از استماع خطبۂ جمعۂ امام بود نوشتۂ
آنرا می داد که من آنرا نوشته ام“۔

ایک مرتبہ حارث اعور (جو فقیہ تھے) خطبۂ جمعہ میں حاضر نہ تھے تو مالک اشتر نے حضرتؑ سے سن کر لکھا ہوا خطبہ حارث کو دیا کہ لیجیے یہ مَیں نے لکھا۔

اور یہ ایک ہی لکھنے والے نہ تھے بلکہ اور بہت سے لوگ تھے جو خطبے یا قضا یا وغیرہ لکھا کرتے تھے۔ حسن بصری جن کے اقوال و کلماتِ علماء ادب نے بڑے اہتمام سے نقل کیے ہیں (خصوصاً جاحظ نے) یہ بھی حاضر ہوتے اور لکھتے بلکہ ان کے لیے تو یہ واقعہ بھی ہے کہ:

حسن بصری در بصره کنار جمعیت انبوه مسجدبا قلم دوات مشغول بود۔ امیر المومنینؑ از بالائے منبر او را صدا زد، که ”اے حسن! چه کار می کنی“ گفت ”کلام شما را، می نویسم که بعد روایت کنم!“

حسن بصری، مسجد بصرہ میں ایک مجمع میں قلم دوات لیے بیٹھے لکھ رہے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام نے منبر پر سے آواز دی۔ ”حسن! کیا کر رہے ہو؟“ حسن: ”آپ کا کلام قلم بند کر رہا ہوں کہ روایت (نشر) کروں“! [1]

ہم نے ”مآخذ نہج البلاغہ“ کے عنوان سے ایسے اشخاص کی نشان دہی کی ہے (ملاحظہ ہو، سرفراز لکھنو رجب نمبر ۱۹۵۲ء) نیز منہاج نہج البلاغہ از سید سبط الحسن صاحب ہنسوی اور مقالہ جناب امتیاز علی صاحب عرشی) یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ عربی لٹریچر میں یہ پہلا ادبی ذخیرہ

---

[1] دائرہ معارف علوی بخش اول ص ٦٦۔

کتابوں کی شکل اختیار کر سکا۔ اور اس طرح کلام علی علیہ السلام نے عربی اَدب کو متاثر کیا، چنانچہ

پہلی صدی کے مشہور مؤلفین و مرتبینِ کلام علیؑ کے نام:

(۱) حارث اعور (۲) مالک اشتر (۳) زید بن وہب جہنی (متوفی ۹۶ھ) (۴) عبداللہ بن ابی رافع۔

دوسری صدی میں:

(۱) نصر بن محمد مزاحم (اس کی کتاب وقعۃ الصفین آج بھی موجود ہے) (۲) اسماعیل بن مہران سکونی (۳) ابومنذر ہشام بن محمد کلبی سائب متوفی ۱۴۷ھ (۴) ابومخنف لوط بن یحییٰ

تیسری صدی میں:

(۱) محمد بن عمر قدسی متوفی ۲۰۷ھ (۲) ابواسحٰق ابراہیم بن محمد سعید متوفی ۲۸۳ھ (۳) ابوالحسن مدائنی ۲۱۵ھ (۴) عبداللہ بن احمد (شہید کربلا) بن عامر (شہید صفین) (۵) ابراہیم بن ظہیر فراتری (۶) ابومحمد مسعدہ بن صدقہ عبدی۔

چوتھی صدی میں:

(۱) ابوالقاسم عبدالعظیم بن عبداللہ حسنی (۲) عبدالعزیز بن یحییٰ جلودی متوفی ۳۰۰ھ (۳) ابو الخیر ورازی (۴) ابراہیم بن سلیمان نہشمی (۵) علی بن محمد بن عبد اللہ مدائنی متوفی ۳۳۵ھ (۶) عبید اللہ بن ابی زید انباری (۷) قاضی بن سلامہ مؤلف ''دستور معالم الحکم''

اسی زمانے میں مسعودی متوفی ۳۴۶ھ نے لکھا ہے:

وَ الَّذِیْ حَفِظَ النَّاسُ عَنْهُ مِنْ خُطُبِهٖ فِیْ سَآئِرِ

مَقَامَاتِهٖ اَرْبَعمِائَةِ خُطْبَةٍ وَّ نَيِّفٍ وَّ ثَمَانُوْنَ خُطْبَةً يُّوْرِدُهَا عَلَى الْبَدِيْهَةِ تَدَاوَلَ النَّاسَ ذٰلِكَ عَنْهُ قَوْلًا وَّ عَمَلًا.

ان میں سے جو خطبے لوگوں کو یاد رہ گئے، وہ چار سو اسی سے کچھ زیادہ ہیں۔ جنہیں حضرت علی علیہ السلام بدیہی اور ارتجالی طور پر دیتے تھے۔ یہ خطبے لوگوں میں قول وعمل کے طور پر رائج ہیں۔[1]

پانچویں صدی میں:

اور جن لوگوں نے کام کیا وہ تو کیا، مگر ''شعر ہاشمین، ادیب بے مثال نقیب الطالبین، سید محمد ابوالحسن رضی موسوی مولود ۳۵۹ھ متوفی ۷ محرم ۴۰۶ھ شہر نے بے شمار مآخذ اور لا تعداد روایات میں سے اپنے معیاری ذوق کے مطابق ''کلام علیؑ'' کا انتخاب مرتب کیا''۔

اس انتخاب کا اثر کیا ہوا، اسے ہم بعد میں لکھیں گے۔ اس موقعہ پر یہ کہتے چلیں کہ بیان کردہ فہرست میں دینوری متوفی ۲۸۱ھ جاحظ متوفی ۲۵۵ھ، طبری متوفی ۳۱۰ھ، ابن درید ۳۲۱ھ، ابن شعبہ حلبی ۳۲۰ھ، ابن سلام جمعی مبروم ۲۸۶ھ، ابن عبد ربہ متوفی ۳۲۸ھ اور شیخ متوفی ۴۱۳ھ اور ان کی کتابیں مستزاد ہیں۔ علماء حدیث کے مجموعے بھی لیے جائیں تو خدا جانے یہ باب کس قدر وسیع ہو جائے۔

تمام بڑے انشا پرداز کلام علی علیہ السلام سے مستفید ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ چنانچہ عربی ادب کا عظیم ترین ادیب وفن کار ''عبدالحمید بن یحییٰ'' متوفی ۱۳۲ھ کہا کرتا تھا:

حَفِظْتُ سَبْعِيْنَ خُطْبَةً مِّنْ خُطَبِ الْاَصْلَعِ فَفَاضَتْ

---

[1] مروج الذہب، ج ۲، ص ۴۵، طبع مصر ۱۳۴۲ھ۔

ثُمَّ فَاضَتْ۔

میں نے امیر المومنینؑ کے ستر خطبے یاد کیے۔۔۔ کہ ادب میں روانی آئی اور ایسی کہ۔۔۔[1]

زَعَمَ اَهْلُ الدَّوَاوِيْنِ اَنَّهٗ لَوْلَا كَلَامُهٗ صَلٰوةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَخُطَبُهٗ وَبَلَاغَتُهٗ فِيْ مَنْطِقِهٖ، مَا اَحْسَنَ اَحَدٌ اَنْ يَكْتُبَ اِلٰى اَمِيْرِ جُنْدٍ وَلَا اِلٰى رَعِيَّتِهٖ۔

شاہان وخلفا وعرب کے انشا پردازوں کا کہنا ہے کہ اگر حضرت علی علیہ السلام کا کلام اور حضرت علی علیہ السلام کے خطبے نہ ہوتے تو کوئی شخص بھی اپنے امیرِ لشکر یا اپنی رعایا کو دو سطریں بھی نہ لکھ سکتا۔[2]

ابن مقفع متوفی ۱۴۲ھ جیسے ماہر و صاحبِ طرز ادیب کے لیے حسن سندوبی مصحح البیان والتبیین نے لکھا ہے:

شَرِبْتُ مِنَ الْخُطَبِ رِيًّا وَّلَمْ اَضْبَطْ لَهَا رَوِيًّا فَفَاضَتْ ثُمَّ فَاضَتْ.

میں نے (علی علیہ السلام کے) خطبوں سے پوری طرح سیرابی حاصل کی اور کوئی راستہ باقی نہ چھوڑا۔ چنانچہ موجودہ روانی اسی کا اثر ہے۔[3]

ابن ابی الحدید نے ابن نباتہ متوفی ۳۷۴ھ کا قول نقل کیا ہے کہ

---

[1] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱، ص ۸۔

[2] فوائد رضویہ، ج ۲، ص ۵۲۲ در ضمن تذکرہ ابن عمید۔

[3] حاشیہ، ج ۱، ص ۱۰۹۔

حَفِظْتُ مِنَ الْخِطَابَةِ كَنْزًا لَّا يَزِيْدُهُ الْاِنْفَاقُ اِلَّا سَعَةً وَّ كَثْرَةً. حَفِظْتُ مِائَةَ فَصْلٍ مِنْ مَوَاعِظِ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ۔

میں نے تقریروں کا وہ خزانہ حفظ کیا ہے کہ جس کا استعمال اس میں اضافہ ہی کر رہا ہے اور وہ خزانہ، علی علیہ السلام کے سو یاد کردہ خطبے ہیں۔[1]

متداول درس اور نصاب تعلیم میں کلام علی علیہ السلام کا ہونا اس کی تاثیر زائی کی دلیل ہے۔ تمام شارحین نہج البلاغہ (جو سو کے لگ بھگ ہیں) اس کے مدرس و متعلم رہ چکے ہیں اور آج بھی حضرت کا کلام داخل درس ہے۔ حضرتؑ کی دعائیں، اشعار، قضایا اور فیصلے، ادب وادیب کے لیے حرزِ جاں ہیں۔ کیونکہ آپ کا کلام محمد عبدہ، محمد حسن نائل مرصفی، عبدالحمید خیاط، عبدالحمید محی الدین، فواد افراد، عمر فروخ، علی نقی فیض الاسلام، جرجی جیسے زندہ ادیبوں کے لیے بھی ایک اعجاز، دم عیسیٰ اور فوق البشر ہے۔

احمد حسن زیات، تاریخ ادب عربی میں لکھتے ہیں:

لَا نَعْلَمُ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فِيْمَنْ سَلَفَ وَخَلَفَ اَفْصَحَ مِنْ ''عَلِيٍّ'' فِي الْمَنْطِقِ... وَصْفُهٗ طَاوُسٍ، وَالْخُفَّاشِ وَالدُّنْيَا، وَعَهْدُهُ الْاَشْتَرُ النَّخَعِيُّ اِنْ صَحَّ ذٰلِكَ تُعَدُّ مِنْ مُعْجِزَاتِ اللِّسَانِ الْعَرَبِيِّ۔

رسول اللہؐ کے بعد ماضی اور حال میں ''علیؑ'' سے بڑا فصیح اور مقرر نہیں ملتا۔۔۔ حضرتؑ کے خطبے طاؤس، خفاش اور دنیا پر تقریریں اور مالک

---

[1] شرح نہج، ج ۱، ص ۸، طبع مصر۔

اشتر کے نام دستور، عربی ادب کے معجزوں میں شمار ہوتے ہیں۔[1]

عمر فروخ ''دراسہ نہج البلاغۃ'' میں لکھتے ہیں:

یَاتِیْ نَهْجُ الْبَلَاغَةِ فِی الْمَرْتَبَةِ الثَّالِثَةِ بَعْدَ الْقُرْآنِ الْكَرِيْمِ وَالْحَدِيْثِ الشَّرِيْفِ،وَ اِنَّ اَلْفَاظَهٗ وَتَرَا كِيْبَهٗ وَمَا فِيْهِ مِنْ اَوْجُهِ الْبَلَاغَةِ وَرَاءَ كُلِّ نَقْدٍ وَفَوْقَ كُلِّ اسْتِدْرَاكٍ۔

کلام علی علیہ السلام کا انتخاب ''نہج البلاغہ'' قرآن وحدیث کے بعد کا درجہ رکھتی ہے، کہ اس کی لفظیں، ترکیبیں اور ان دونوں کی ادبیت تنقید و تبصرہ سے بلند ہے۔[2]

---

[1] ص ۱۷۳، طبع عاشر۔

[2] ص ۱۱، طبع ۱۹۴۴ء۔

چند مآخذ

البیان والتبیین	جاحظ	طبع مصر بتصحیح حسن سندوبی ۱۹۳۲ء
العقد الفرید	ابن عبدربہ	طبع مصر سنہ ۱۳۲۱ھ
مقدمہ	ابن خلدون	طبع قاہرہ سنہ ۱۳۲۹ھ
جواہر الادب ج ۲	سید احمد ہاشمی	مطبعہ سعادت مصر سنہ ۱۳۵۶ء
التاریخ الادب العربي	حسن زیات	طبع عاشر مصر
المجمل فی التاریخ اداب العرب ج 1	محمد بہجۃ الاثری	بغداد سنہ ۱۹۲۹ء
تاریخ ادب اللغۃ العربیہ ج ۲	محمد بک دیاب	مطبعہ ترقی، مصر ۱۹۰۰ء
		سنہ ۱۳۱۸ھ
فہرس الطوسی	منتجب الدین	طبع کلکتہ
فہرست نجاشی	علامہ ابوالعباس	بمبئی
فہرست کتب خطی کتاب خانہ عبدالعزیز		طبع مہر سنہ ۱۳۱۳ء
عمومی معارف ج 1		
دیوان شیخ الاباطح		نجف سنہ ۱۳۵۶ء
الروائع (1)	فوادافرام	بیروت سنہ ۱۹۳۷ء
نہج البلاغہ الامام علی	ڈاکٹر عمر فروخ	بیروت سنہ ۱۹۴۴ء
منہاج نہج البلاغہ	سبط الحسن	لکھنو سنہ ۱۹۵۴ء
شرح نہج البلاغہ	ابن ابی الحدید	طبع مصر